گرامی نامے

● 'ایوانِ اردو' کا اگست ماہ کا شمارہ نہایت خوبصورت جاذب نظر قومی پرچم اور امن و امان کے مظہر تین کبوتروں کے ساتھ دلکش رنگوں والے سرورق سے آراستہ پیراستہ دستیاب ہوا۔

اس میں افسانوی حصہ خاصا توانا ہے۔ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا کا افسانہ 'ایک وفا ایسی بھی' ایک احسن تخلیق ہے۔اس میں بھانو پرتاپ سنگھ اُن مردوں کی بخوبی نمائندگی کرتا ہے، جو کہ اپنی زوجہ (جیسے سمیرہ) سے تا حیات وفا کرنے کا وعدہ تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اس کی ناگہاں وفات کے بعد جلدی ہی دوسری عورت (جیسے کہ ماریہ) کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی بھی تامل نہیں کرتے ہیں۔یہ مرد ایسا کر کے افسانے کے طنزیہ عنوان 'ایک وفا ایسی بھی' کی ہی گویا کاملاً تصدیق کرتے ہیں۔

محترمہ رابعہ الربا کا افسانہ 'سویٹ ہارٹ' مختصر ہونے کے باوصف عصری حیات میں عاشقوں و معشوقاؤں کی غیر سنجیدگی و بے اعتنائی کی خط کشی کرتا ہے۔اس افسانے میں شادی شدہ اعیان کی نام نہاد محبوبہ سونیا تو علی سے عشق فرمانے لگتی ہے۔کیا ایسی ہوا کرتی ہے 'سویٹ ہارٹ'؟

ریحان کوثر کے افسانے میں بموجب عنوان 'سیلفی' ہی مرکز میں ہے اور اس پہ مستزاد 'آئینہ' بھی کاملاً صحیح ہی درج کیا گیا ہے۔افسانے کے اختتام پر ہیروئن ادیبہ کو کچھ ہی وقت قبل رَمشا کے ساتھ لی گئی اپنی ایک 'سیلفی' گویا اس کے دوست خیام کو کامیاب عشق کی راہ پر راستگی سے گامزن کرنے کے لیے میل پتھر مہیا کرتی ہے۔

محترمہ سفینہ بیگم کے نفسیاتی افسانے 'خوف کے سایے' کے تحت ہیرو بالآخر اپنے حلیے کو ہی ایک بھوت کی مانند بنا کر عوام کے اشتیاق و تجسّس کا مرکز بنانے میں کامیاب ہوتا ہے۔اس افسانے کا اہم سبق یہی ہے کہ عوام تو ظاہر نہ ہونے والے جھوٹ کے بیشتر خریدار ہوا کرتے ہیں، نہ کہ بظاہر لگنے اور دِکھنے والے سچ کے، جو کہ بالآخر کسی نہ کسی وجہ سے برہنہ ہو جایا کرتا ہے۔

محمد کیف فرشوری بدایونی نے شکیل بدایونی کی ادبی حیثیت کو اپنے مضمون میں ان کی فلمی اہمیت پر فوقیت دی ہے۔یہ نتیجہ صد فی صد صحیح ہے۔اس کے علاوہ موصوف کے متعدد اشعار ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں مثلاً صفحہ ۳۹ پر محولہ یہ ایک خاص شعر ملحوظِ خاطر ہے: ''زاہد کی مے کشی پہ...فطرتِ آدم کبھی کبھی۔'' ان کی شاعری پر جگر مرادآبادی کے شعری رنگِ اسلوب کے اثرات کو مدلل نشان زد کیا گیا ہے۔ایک طرف شکیل نے حسن و عشق کے علاقے میں پروازِ تخیل کی ارفع اڑانوں کا ثبوت فراہم کیا ہے، مثلاً یہ ایک شعر ہی اس امر کے ضمن میں محولہ کیا جا سکتا ہے:

''جو نقابِ رخ اُٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اُٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے۔''

(مجموعہ 'شبستان'، ص:۹۱)

دوسری طرف اسی طرح ہمارے ملک کی نام نہاد آزادی سے عوام الناس کی بے اعتنائی اور بے التفاتی کے ثبوت کے لیے اسی مجموعے کی مندرجہ بالا غزل کے اس ایک شعر کا حوالہ ہی کافی ہے:

''نئی صبح پر نظر ہے، مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے۔'' (ایضاً)

اس لیے سماجی و سیاسی سروکاروں کے باوصف شکیل کو ایک بلند پایہ شاعر اعلان کیا جا سکتا ہے۔

کرشن بھاؤک، پٹیالہ (پنجاب) موبائل: 9815165210

● جولائی کا شمارہ پیش نظر ہے۔شمیم طارق کا مضمون ''دبستانِ لکھنؤ اور اردو صحافت'' مدلل، شگفتہ اور تعمیری فکر کا حامل ہے۔دبستانوں کے وجود اور ان کی خصوصیات سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس زمانے میں دبستانوں کا وجود کتابوں میں رہ گیا ہے، لیکن ایک خطے کے اردو والوں سے دوسرے خطے کے اردو والوں کا تعصب شباب پر ہے۔اس لیے وہ صحت مند نقطۂ نظر پیش کیا جانا ضروری تھا جو شمیم طارق نے پیش کیا ہے۔یہ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے کہ دو دبستانوں یا علاقوں کے اردو والوں میں ہی نہیں ایک ریاست کے دو الگ الگ خطوں کے اردو والوں میں بھی خاموش کشمکش جاری ہے۔

میں مہاراشٹر کے اس خطے سے تعلق رکھتا ہوں جو مدھیہ پردیش سے نزدیک ہے اور اس خطہ میں مقیم اور برسرِ کار ہوں جو بحرِ عرب سے لگا ہوا ہے یعنی مہاراشٹر کا ہوں، مہاراشٹر میں کام کرتا ہوں اور مراٹھی بولنے اور لکھنے میں کوئی تکلف نہیں کرتا۔اس کے باوجود مجھ کو ''غیر'' ہونے کا احساس دلایا جاتا رہتا ہے۔اس خطے کے لوگ اردو دوست اور نیک ہیں، مگر دو چار لوگ جنہیں غلط فہمی ہے کہ وہ اردو کے اسکالرس ہیں فتنہ پیدا کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کا ریکارڈ یہ ہے کہ وہ جس ادارے سے وابستہ رہے اس کو نقصان پہنچایا۔

شمیم طارق نے اپنے مضمون میں بہت صحیح یاد دلایا ہے:

''تمام دبستان اپنی خصوصیات کے ساتھ اس اردو کے دبستان

ہیں جو ہندوستان گیر زبان ہے اور لہجے کے فرق اور لفظوں کے تھوڑے سے تصرف کے ساتھ ہر خطے اور طبقے میں بولی جاتی ہے۔ اختلافات کے باوجود ان دبستانوں میں اتحاد کا رشتہ بہت مضبوط ہے۔'' اور ''واقعہ یہ ہے کہ بدلتے ہوئے سیاسی سماجی حالات میں لسانی تغیرات سے ہر زبان دوچار ہوتی ہے۔ علاقائی لہجہ بھی فطری ہے اس لیے صحتِ زبان کی یاددہانی تو کی جاسکتی ہے علاقائی لہجے سے تنفر کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔''

میں پورے ہندوستان کے اردو داں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور دبستان یا علاقے کی اردو کے نام پر جو لوگ چھوا چھوت برتتے ہیں اس سے بے زاری کا اظہار کرتا ہوں۔

پروفیسر محمد دانش غنی، رتناگری، موبائل: 9372760471

● جولائی کا شمارہ ملا۔ آپ نے پروفیسر عظیم الشان صدیقی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے محبی ڈاکٹر تابش مہدی اور ڈاکٹر عمیر منظر صاحبان کے گرانقدر مضامین کو شائع فرمایا، اس سے ہم طالب علموں کو پروفیسر مرحوم کی زندگی کے چھپے گوشوں اور ان کی خوبیوں کے بارے میں علم ہوا۔ اللہ کرے اسی طرح کے ذی علم اور علم دوست اساتذہ اردو کو میسر آجائیں تو یقیناً ہمارے یہاں سے بھی قحط الرجال کے دور کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

ایوان اردو کے شماروں میں بیشتر علمی مضامین ہی شائع ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی اہم علمی پہلو کی طرف نشاندہی کرتے ہیں، لیکن اس بار شائع محمد حنیف خان کا مضمون ''ایجادی قفس میں شطرنج کے کھلاڑی'' بہت اہم اور دلچسپ مضمون ہے..... افسانوی تنقید کی لفظیات کے لیے یہ مضمون ایک طرح سے طلبا کے لیے رہنما کا کام کرے گا۔ حنیف خان کا یہ علمی اور تقابلی مضمون پریم چند اور نیر مسعود کی زبان وفکر کے ساتھ ساتھ ان کے تاریخی شعور کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس لیے امید کرتا ہوں کہ یہ افسانوی تنقید کو بظاہر ایک غیر اہم، لیکن ضروری پہلو کی طرف موڑنے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ انھوں نے دونوں افسانوں کی مدد سے اودھ کی بجھتی شمع کی جو تاریخ بیان کی ہے، وہ قابل تحسین ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس سے خود حنیف خان کے مثبت تاریخی شعور کا پتہ چلتا ہے۔

شاہد حبیب فلاحی، لکھنؤ، موبائل: 8539054888

● ماہ جولائی کا 'ایوان اردو' اپنے پورے پرکشش انداز میں جلوہ افروز ہوا۔ سرورق کا آرٹ بھی بہت کچھ بیان کررہا تھا اور شہید وطن کی یاد دل ودماغ پہ تازہ کرگئی۔ ''اپنی بات'' بھی بہت بہتر ہے۔ ''بچوں کی شاعری اور اسمٰعیل میرٹھی کی شعری جہات'' پروفیسر علی احمد فاطمی سے لے کر ''تختۂ سیاہ پر سفید چاک کا نشان'' ڈاکٹر فیاض عالم کے مضامین بے حد معلوماتی ہیں۔ تو وہیں افسانے ''اشتہار'' ف۔س اعجاز کا۔ ''آدھی ادھوری کہانی'' ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اور ''اندیشہ'' یاور کفیل کے بہت اچھے لگے اور ادیب وسماج کو بڑے ہی عمدہ انداز میں پیغام دیا گیا ہے۔

طنز ومزاح ''چپکنا فون سے خانم کا سنتے آئے.....!'' ڈاکٹر محبوب حسن کا۔ آج کی نئی نسل کے لیے عبرت آمیز ہے۔ انھوں نے آئینہ دکھا کر موبائل سے دور رہنے کے لیے بڑے مؤثر انداز میں طنز ومزاح کے ذریعۂ اپنی بات کہی ہے۔ ان کے اس جذبے کو سلام اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم میں اور طاقت بخشے۔ آمین۔

غزلوں میں سیدہ شان معراج، خالد عبادی اور ڈاکٹر طارق قمر کی طویل نظم دماغ کو جھنجھوڑ کر دل کی گہرائیوں میں اُترتی چلی گئی۔

محمد بلال الدین، بھاگلپور (بہار)، موبائل: 8603856085

● 'ایوانِ اردو' جولائی ۲۰۱۸ء نظر نواز ہوا۔ ف۔س۔ اعجاز کی کہانی 'اشتہار' اردو کے حق میں لکھی کہانی ہے یا مخالفت میں۔ جیسے وہ 'دیگر نا تمام' کے حالاتِ زار سن کر اچھل سے پڑے کہ ''جان بچی لاکھوں.....اُن کے پاس اردو کے معروف ادیب دلگیر نا تمام کی طرح ان کی چھ ہزار غیر فروخت شدہ کتابوں کا تین کمروں کا قبرستان نہیں جس میں وہ کراہ رہے ہیں۔ یہ ان کی وہ کتابیں ہیں جو فروخت نہ ہوسکیں۔ نقاد حضرات نے تو ان کی پذیرائی کی، لیکن قارئین نے ان میں اپنی کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ان کتابوں کو لائبریریوں اور نہ ہی دوسری تنظیموں نے مفت ہی لینے پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ نتیجتاً یہ چھ ہزار کتابیں جو لاکھوں روپوں کی ہوتیں کباڑ کی دکانوں کا منھ تکنے لگیں... سمجھ سے باہر ہے۔

''آدھی ادھوری کہانی'' میں کہانی کار کا غصّے میں اپنے سر کا بال نوچنا عین حماقت ہے۔ خبریں تو اس کے ذہن میں ہیں، لیکن کہانی کا پلاٹ تشکیل نہیں ہو پا رہا ہے۔ کہانی کا نکتہ عجیب ہے۔ تخلیق کار کا ایک ماہر لیڈی ڈاکٹر کی طرح اپنے علم وتجربات کو بروئے کار لائے۔ اس کہانی کا آخری پیراگراف تو مضحکہ خیز ہے۔ ایک تو 'ڈسٹ بین' جسے کوڑا دان کہا جاتا ہے اور جو گھر کے باہر دروازے پر یا سڑکوں پر رکھے ملتے ہیں۔ کمروں، لکھنے کی جگہوں یا آفسوں میں ٹیبل کے نیچے جسے رکھتے ہیں اسے 'ویسٹ پیپر باسکٹ' (Waste Paper Basket) کہتے ہیں۔ پھر آدھے ادھورے واقعات کے مڑے مڑے کاغذات کا آپس میں گلے

ملنا۔یعنی جو تخلیق کار نہ کر سکا وہ ان بے جان کاغذ کے ٹکڑوں نے کر دکھایا۔

یاور کفیل کی مختصر کہانی 'اندیشہ' اچھی کہانی ہے۔اس کہانی میں انسانی نفسیات کو دخل ہے۔راغب صاحب کو موت نے نہیں موت کے اندیشے نے مار ڈالا۔

پی پی سریواستو کا یہ شعر خوبصورت بھی ہے اور معنی خیز بھی:

دکھتے لمحوں پہ پٹیاں رکھ کر
موسموں نے کیا علاج مرا

سیف الرحمٰن عباد، غازی، سیدواڑہ، غازی پور (یوپی)

● تعمیری ادب کا ترجمان رسالہ 'ماہنامہ ایوان اردو' جون ۲۰۱۸ء بفضلہٖ تعالیٰ میرے ہاتھوں میں ہے۔ رسالے کے صدر دروازہ یعنی اداریہ، اپنی بات، پڑھا، بہت ہی اچھا لگا۔اپنی بات کی ہر بات ناصحانہ اور درس آمیز ہے۔میں آپ کی ہر بات سے متفق ہوں کہ شاعر ہو یا نثّار ایک استاد، ایک مشیر ایک علمی رہبر ضرور ہونا چاہئے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب نوعمر شاعر و ادیب اپنے بزرگ قلمکاروں کی عزت کرے گا، ان کا احترام کرے گا۔بے استاد اقلمکار جنگل کی جھاڑیوں کی طرح ہوتا ہے جس کی کوئی تراش خراش نہیں ہوتی ہے۔ میں بھی اس کمی کا شکار ہوں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اساتذہ میری اس کمی کو دور فرما دیں۔

اساتذۂ فن کا احترام ہی دنیائے اردو کو خالص ادب پیش کر سکتا ہے۔

ادب میں تنقید کا جواز، ایک معیاری اور منفرد مضمون ہے، میں پروفیسر وحید الظفر خاں کو اس کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں صفحہ نمبر ۱۳ پر قلمکاروں سے گزارش کی تائید کرتا ہوں۔

سچی بات یہ ہے کہ کسی کے بعد کوئی شعلۂ عشق سیہ پوش نہیں ہوتا ہے بلکہ اور جلا بخش ہوتا ہے:

اسلم چھوڑ کے جانے والے
آنکھیں خالی کر جاتے ہیں

ایک اچھا شعر اور یاد رہ جانے والا شعر ہے۔

آزاد غزل اور نثری غزل کا میں قائل نہیں ہوں۔ اس قسم کے تجربات ادب کے تئیں مضر ثابت ہوتے ہیں ایسا میرا ذاتی خیال ہے۔

فیض کا شعری لہجہ، کوئی چونکانے والا عنوان نہیں ہے۔ ہر شاعر کا اپنا ایک شعری لہجہ ہوتا ہے۔معروف زمانہ شاعر ظفر صدیقی کے شعری مجموعے کا نام ہی، لہجہ ہمارا، ہے۔

میرا ماننا ہے کہ ہر اردو دوست کو شجاعت سندیلوی کی طرح ہونا چاہئے۔شاکر صدیقی کا یہ مضمون حوصلہ بخشتا ہے۔

ایوانِ اردو، دہلی

دیپک بدکی ایک معروف افسانہ نگار ہیں اور فاروقی صاحب کے ہم پیشہ رہے ہیں، عمدہ لکھتے ہیں اور خوب چھپتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ مہاراجہ ڈوگر کے عہد میں کشمیر میں پیسوں کو بدکی کہتے تھے۔زیادہ ہونے پر لوگ بدکیوں کو ہانڈیوں میں بھر کر زمینوں میں گاڑ دیا کرتے تھے، جڑوں کی تلاش ایک شاندار افسانہ ہے۔ہیمال کردار کا ایک انوکھا نام ہے۔

قمر سلیم جڑواں کو ایک نیا رخ دینے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

بادی النظر میں چراغ ہبلوی کو چراغ دہلوی پڑھا جا سکتا ہے۔

افسانہ شارٹ ہے، مگر فیلنگ فل ہے۔

حسرتوں کے چراغ، نورین علی کا ایک عمدہ اور جذباتی افسانہ ہے۔

اسد رضا کا انشائیہ، چور نامہ، تعمیری ظرافت کی ایک زندہ مثال کہی جا سکتی ہے۔

ایک دو کو چھوڑ کر تمام غزلیں متاثر کرتی ہیں۔

دیگر مؤقر رسالوں کے خبر ناموں کی طرح ایوان اردو کا خبر نامہ بھی اردو کے تابناک مستقبل کا اعلان کرتا ہے۔

شکیل سہسرامی، پٹنہ (بہار)، موبائل:9162560765

● جون ۲۰۱۸ء کے شمارے میں غزل شائع کرنے کا شکریہ! میری غزل میں دو جگہوں پر کمپوزنگ کی غلطی ہے اس کی اصلاح فرما دیں تو مہربانی ہوگی۔

خورشید ازہر، جمشید پور (جھارکھنڈ)، موبائل:9835389108

نوٹ: ''ایوانِ اردو'' جون ۲۰۱۸ء میں شائع خورشید ازہر کی غزل میں کمپوزنگ کی غلطی در آئی ہے۔ان کے درج ذیل اشعار کی قارئین اصلاح فرمالیں۔ (ادارہ)

''مسئلہ اپنا ہے لیکن کل تمھارے پاس ہے''

صحیح مصرع یوں ہے:

''مسئلہ اپنا ہے لیکن حل تمھارے پاس ہے''

دوسرا مصرع:

وہ انوکھا آئینہ کیوں تمہارے پاس ہے

صحیح مصرع یوں ہے:

وہ انوکھا آئینہ کیول تمہارے پاس ہے